اجتماعی اجتہاد --- ضرورت و طریقۂ کار

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

اجتہاد میں تفریط و افراط

مسلمانوں کے پاس قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ اجتہاد وہ لازوال آلہ ہے جو انھیں رہتی دنیا تک کے لیے قائم و دائم اور ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد بعض علما کی طرف سے اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنے کا مشورہ ایک اجتہادی فیصلہ تھا جس کی منفعت و مضرت دونوں پر کلام کیا جا سکتا ہے لیکن اتنا بہرحال واضح ہے کہ اس فتوے کے پیچھے اصل محرک اس عہد کے حالات و کوائف تھے۔ اس فتوے نے جہاں ایک طرف بے قید فکر اور انحرافی اجتہاد پر بڑی حد تک روک لگا دی، وہیں تدبر و تفکر کے تحریکی عمل کو بھی متاثر کیا۔ دراصل اسلام کی تحریکیت و ابدیت کے لیے اجتہاد ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اجتہاد کا عمل ہر عہد میں جاری رہا ہے، خواہ وہ اجتہاد پر پابندی سے پہلے کا زمانہ ہو یا اس کے بعد کا دور۔ مگر ادھر سو سال کے اندر جو بے تحاشا سیاسی، عسکری، معاشی، تمدنی، معاشرتی اور علمی ترقیاں رونما ہوئی ہیں، ان کی مثال اس سے قبل کے ایک ہزار سال میں ملنی مشکل ہے۔ اور اس عہد نو نے ہمارے سامنے بے شمار نئے نئے مسائل کا انبوہ گراں لا کھڑا کیا ہے جو شریعت کی روشنی میں اپنا حل چاہتے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات اور عرف و عادات نے ماضی کے بہت سے اجتہادی احکام و فتاوے کو اس وقت بے موقع و بے محل قرار دے دیا ہے جن پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اجتہاد پر لگی پابندیوں اور بندشوں کو ختم کرنے کی جس شدت سے آواز اس عہد میں اٹھ رہی ہے پچھلے ہزار بارہ سو سال میں شاید ہی اٹھی ہو۔

اجتہاد سے متعلق ہمارے اندر کئی قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف جماعت علما کے ایک گروہ کی طرف سے اکثر بڑے جمود کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کتاب و سنت کا پڑھنا پڑھانا جن کا شب و روز کا مشغلہ ہے، نوپید امسائل کو حل کرنے کے لیے ان کا منتہائے کمال یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے ملتا جلتا کوئی فقہی جزئیہ یا کچھ فقہی تصریحات، اپنے مسلک کے قدیم علما کی کتابوں میں تلاش کر لی جائیں

اور وہی حکم یہاں بھی صادر کر دیا جائے۔ دوسری طرف متجددین کا گروہ ہے۔ اسلام کے بنیادی ماخذ سے تعلق جن کا علم، تراجم اور ثانوی ذرائع تک محدود اور واجبی سا ہوتا ہے۔ یہ لوگ نئے مسائل کو بجائے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کے، اسلامی تعلیمات کو ہی بدل دینے کو زیادہ آسان سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ اسلام کے بنیادی ارکان اور واضح و مستحکم تعلیمات کی من مانی تاویل و توجیہ سے بھی گریز نہیں کرتے۔

حق ان دو انتہا پسند رویوں کے درمیان اس مسلک وسط کے اندر پایا جاتا ہے جس کی رہنمائی کتاب و سنت سے ملتی ہے اور جس کا نمونہ قرون اولیٰ کے علما نے پیش کیا۔ اس وقت نوپید امسائل کو حل کرنے میں نہ تو وہ تنگی تھی جو آج ہم دیکھتے ہیں اور نہ وہ فکری کج روی اور غیر محدود آزادی تھی جو ہمارے روایتی علما کے طرز عمل کے ردعمل کے طور پر یا مغرب سے مرعوبیت کے نتیجہ میں پائی جاتی ہے۔

اجتہاد کے اسباب و مواقع

اسلام میں اجتہاد ایک مطلوب و محبوب امر ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موقع و بے موقع اور ضرورت و بے ضرورت اس کا استعمال ہوتا رہے۔ جن علما نے اجتہاد پر بندش لگائی ان کی نیت یہی رہی ہے کہ اس کے بے موقع و بے ضرورت استعمال کے امکان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اجتہاد کے لیے کچھ ایسی شرطیں اور ان شرطوں کی ایسی تعبیرو تشریح کی کہ بعد کے زمانہ میں نہ کوئی ان کو پورا کر سکے اور نہ اجتہاد کی ہمت کرے۔ اس لیے یہاں اجتہاد کے موقع و محل اور اس کے لیے مطلوب شرائط کا مختصر جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اجتہاد اس دور میں کہاں اور کیوں ضروری ہے اور اس کی شرطوں کو پورا کرنا کتنا ممکن ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ عقائد و ایمانیات کے عناصر دائرۂ اجتہاد سے خارج ہیں۔ وہ اس معنی میں اجتہاد کا محل نہیں ہو سکتے کہ ان میں کوئی حذف و اضافہ یا ترمیم و تنسیخ ہو۔ وہاں آفاق و انفس کی نشانیوں پر انتہائی غور و فکر جس سے ان عقائد و ایمانیات کے سلسلہ میں مزید ایقان و اطمینان حاصل ہو، نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

اس کے بعد ارکان اسلام اور حدود و معاملات کا نمبر ہے۔ ان میں بھی اجتہاد کے ذریعہ حذف و اضافہ یا ترمیم یا تنسیخ نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ واضح اور قطعی الدلالہ نصوص سے ثابت ہیں۔ البتہ ان کی تفصیلات، جن کے بارے میں مختلف احادیث و اقوال مروی ہیں، یا جن کو عرف و عادات اور حالات و کوائف زمانہ کو سامنے رکھ کر علما نے طے کیا ہے۔ ان کے راجح و مرجوح یا ان کے رد و بدل کے سلسلہ میں اجتہاد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے قوی اسباب موجود ہوں اور اس پر غور کرنے والے کے اندر

اجتہاد کی اہلیت موجود ہو۔

وہ تمام نئے مسائل و معاملات اجتہاد کا موقع و محل ہیں جو تبدیلی زمان و مکاں یا تغیر عرف و عادلت کے نتیجے میں پیش آئیں، جن میں کوئی حکم پہلے سے موجود نہ ہو، یا جو اجتماعی حکم یا فتویٰ ہو وہ پوری طرح منطبق نہ ہوتا ہو، اس لیے نئے حکم کی ضرورت ہو۔

اس طرح اجتہاد کے درج ذیل مختلف حالات و اسباب اور مواقع ہو سکتے ہیں۔

۱) دلالت نص کے سمجھنے اور اس سے استنباط حکم میں تسامح ہوا ہو۔ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب شریعۃ الاسلام میں اس کی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً آیت جزیہ جس سے بعض فقہا نے یہ حکم نکالا ہے کہ جزیہ وصول کرتے وقت ہرذمی کی اہانت واجب ہے۔

۲) مصلحت حکم بدل گئی ہو۔ جیسے غلبہ اسلام کے وقت مولفتہ القلوب کو مصرف زکوٰۃ سے خارج کر دینا یا کتابیہ سے نکاح کو روک دینا، یا ذمیوں کے لیے خاص لباس ضروری قرار دینا۔ اس طرح کے احکام جو مختلف مصالح کے تحت آئے ہوں، مصلحت باقی نہ رہنے یا دوسری طرح کی مصلحت غالب آنے کی صورت میں محل اجتہاد ہوں گے۔

۳) عرف و عادت میں تبدیلی ہو گئی ہو۔ فتاویٰ و اجتہادی احکام میں عرف و عادت کی رعایت اسلامی فقہ و قانون کا ایک اہم اصول ہے۔ ایک مختلف زمانہ اور بدلے ہوئے حالات میں جب کہ عرف و عادات میں تبدیلی آگئی ہو، ان فتاویٰ و اجتہادی احکام کو باقی رکھنے پر اصرار اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابن عابدین نے بڑی اچھی بحث کی ہے (مجموعہ مسائل ابن عابدین)

۴) فساد زمانہ بھی نئے حکم کا متقاضی ہو سکتا ہے مثلاً عورتوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روک دینا۔

۵) زمان و مکان میں غیر معمولی تبدیلی جس سے منصوص احکام پر عمل ناممکن ہو۔ مثلاً قطبین یا چاند پر پہنچ جانا، جہاں ہماری طرح کے دن رات نہ ہوں۔ یا ایسی تیز رفتار سواری سے جانب مغرب سفر کرنا کہ سورج غروب ہوتا نظر نہ آئے۔

۶) یعنی عسکری، تمدنی، معاشی و سیاسی اعتبار سے ایسی ترقی جس سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیدا ہو گئی ہوں جن میں قدیم اعتبارات ناکافی ہوں، اور نئے حکم کی ضرورت ہو، جیسا کہ خاص طور سے اس عہد میں محسوس کیا جا رہا ہے۔

مثال کے طور پر سائنسی ترقی سے اعضا کی پیوند کاری، خون کی منتقلی، جنین کی جانچ، پوسٹ مارٹم کے ذریعہ موت کا سبب معلوم کرنا، انگلیوں کے نشان کے ذریعہ مجرموں کا پتہ لگانا، افق میں چاند کو ڈھونڈ نکالنا، حساب و کتاب کے ذریعہ اس کے طلوع و غروب اور کسوف و خسوف کا بالکل صحیح وقت

جان لینا' علم اعداد و شمار کے ذریعہ کاروبار میں نفع و نقصان کا پیشگی اندازہ کر لینا جس سے اس کی کامیابی یا ناکامی کا غلبہ ظن ہو جائے' اب روز مرہ کی بات ہے۔

مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمان آج جس سیاسی صورت حال سے دوچار ہیں' وہ پچھلے زمانہ میں کہیں نہیں پائی گئی' مثلاً جمہوریت جہاں اقتدار میں مسلم و غیر مسلم دونوں شریک ہوتے ہیں' مسلمانوں کی امامت کبریٰ اور خلافت کا فقدان' اسلام اور مسلمانوں کا خود مسلم ممالک میں کسمپرسی اور چیرہ دستی کا شکار ہونا' ملحدین و نصاریٰ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ عالمگیر تصرف و اقتدار' ایسے مظاہر ہیں جو ہمارے بہت سے اجتہادی فیصلوں پر نظرثانی کے متقاضی ہیں۔

معاشی میدان میں بنکاری اور تجارت کی گوناگوں شکلیں پیدا ہوگئی ہیں۔ سونے چاندی کا چلن بحیثیت زر کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اور کاغذی نوٹوں کی جگہ بھی چیک اور کریڈٹ کارڈ لیتے جارہے ہیں اور بعید نہیں کہ مستقبل میں روپیہ نام کی چیز متداول کے بجائے' صرف حساب کی ایک اکائی (unit of account) کے لیے استعمال ہو۔ حکومت یا مرکزی بنک کی طرف سے جاری کی ہوئی کسی بھی مقدار زر کو تجارتی بنک قرض اور چیک کے استعمال سے کئی گنا کر دیتے ہیں۔ افراط وتفریط زر الگ مسائل پیدا کرتے ہیں۔ کمپنیوں کے حصص کی تجارت' ان کی قیمتوں میں حقیقی یا غیر حقیقی کمی بیشی' ان میں ربا و قمار کی آمیزش' مختلف قسم کے روا و ناروا ٹیکس اور ان سے بچنے کی قانونی و غیر قانونی شکلیں' خرید و فروخت کے نئے نئے طریقے' اجارہ داریاں' یونین سازی' پنشن' پروویڈنٹ فنڈ' بیمہ وغیرہ کے نت نئے اصول' بیت المال کی غیر موجودگی' کفالتہ المسلمین کا فقدان' زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کا خاتمہ' ہر ایک کے تعلق سے کچھ نہ کچھ نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جنھیں بغیر اجتہادی عمل کے حل نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح عسکری میدان میں ایک طرف ایسے خطرناک ہتھیار ایجاد ہوگئے ہیں جو بلاامتیاز خورد و کلاں' پیر و زن' قصوروار یا بے قصور کو ہلاک کر دیتے ہیں' اور ہر چیز کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف اغوا کرنا' یرغمال بنانا' ہڑتالیں کرنا' عدم تعاون جیسے حربے دباؤ ڈالنے' مطالبات منوانے' یا حکومت کو بدلنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا ان وسائل کو اپنانا کیسا ہے' یا مسلمانوں کے خلاف جب یہ اپنائے جائیں تو کن حالات میں کیا حکم ہو۔ یہ اور اس طرح کے بہت سارے مسائل اسلام کی روشنی میں حل کے متلاشی کے لیے چیلنج بن کر سامنے آتے ہیں۔ اجتہادی فکر کے بغیر ان کا جواب مشکل ہے۔

دور حاضر اور اجتہاد کی شرائط

اجتہاد کے ذریعہ صحیح فیصلہ کرنے پر دو اجر اور غلط فیصلہ ہو جانے پر بھی ایک اجر کا وعدہ کیا گیا

ہے۔اس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عمل اجتہاد اسلام میں کس قدر مرغوب و مطلوب ہے۔اگر یہ کوئی خطرناک چیز ہوتی تو اجتہاد کے ذریعہ غلط فیصلہ ہو جانے پر سزا نہیں تو "لا اجر ولا وزر" ہی کہہ دیا جاتا۔لیکن اس کے برخلاف مذکورہ بالا حدیث میں اس کی تشجیع کی گئی۔اجتہاد کے عمل میں خطا سے حفاظت اور غیر اہل پر پابندی کے مقصد سے علما سلف نے اجتہاد کے لیے جو شرطیں مقرر کر دیں ' اور ان کی تشریح جس مبالغہ کے ساتھ کی ' اس کی وجہ سے اکثر ان حضرات نے بھی فکر و اجتہاد کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر لیا جو اس کے اہل ہو سکتے تھے۔اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آج کے حالات میں ان شرائط کا جائزہ لے لیا جائے۔

تقویٰ : اجتہاد کے لیے سب سے بنیادی شرط تقویٰ و خدا ترسی کو قرار دیا گیا ہے۔تقویٰ کا تعلق اصلاً دل سے ہے۔ التقویٰ ھھنا اس لیے وہ تقویٰ و خدا ترسی جس پر احکام مرتب ہوتے ہیں ' اس کے ناپنے کا بظاہر اس کے علاوہ کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ آدمی ارکان اسلام کا پابند ہو 'کبائر سے مجتنب رہے اور صغائر پر اصرار نہ ہو۔

شریعت کی روح مقاصد کا علم : یہ چیز احکام شریعت پر غور و خوض سے حاصل ہوتی ہے۔سلف کے مباحث کی وجہ سے اب ان کو جاننا آسان ہو گیا ہے۔کچھ ائمہ نے مقاصد شریعت کو پانچ خانوں میں تقسیم کیا ہے۔یعنی دین کی حفاظت 'عقل کی حفاظت ' جان و مال کی حفاظت 'عزت و آبرو کی حفاظت اور آنے والی نسل کی مصلحت۔علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک شریعت کے مقاصد صرف ان ہی پانچ چیزوں میں محصور نہیں ہیں۔

قرآن و سنت کا علم : اسلامی احکام کے بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہیں۔اس لیے ان سے بے بہرہ ہو کر کسی اجتہاد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مفسرین کرام و محدثین عظام نے ان علوم کو ہم تک پہنچانے کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ قرونِ اولیٰ سے اپنے عہد تک کی آرا و افکار کو قلم بند کر دیا ہے بلکہ ان کے سمجھنے کے لیے اصول تفسیر و حدیث بھی وضع کر دیے ہیں جنھیں ہم آسانی کے ساتھ کم مدت میں سیکھ سکتے ہیں اور برت سکتے ہیں۔ مراجعت کی سہولت کے لیے مختلف موضوعات کے تحت آیات و احادیث کی تفصیل و تبویب بھی کر دی گئی ہے 'جس سے کسی موضوع سے متعلق قرآن و سنت کی نصوص کو تلاش کرنا آسان ہو گیا ہے۔

فقہ اور اصول فقہ کا علم : قرآن و سنت کے بعد فقہ و اصول فقہ کا علم نئے مسائل کی گرہ کشائی کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔یہ علم بھی پورے طور پر مرتب و مدون ہو کر ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہر مسلک کے فقہی احکام مع دلائل کے اور تقابلی فقہ اور ان کے دلائل نے یہ ممکن بنا دیا ہے کہ ایک عالم مسلکی تعصب سے اونچا اٹھ کر دلیل و برہان کی قوت کی روشنی میں صحیح و مضبوط رائے کا

تعین کر سکے۔

ناسخ و منسوخ کا علم: مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دو مختلف و متضاد حکم کی حامل نصوص کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ کون منسوخ و قدیم نص ہے اور کون ناسخ و موخر۔ قدما نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے اور اس موضوع پر ایسے رسالے مرتب کر دیے ہیں کہ ناسخ و منسوخ کا پتہ لگانا دشوار نہیں رہ گیا ہے۔

اجماع کا علم: اجماع بجائے خود احکام شریعت کا ایک اجتہادی ماخذ ہے۔ جس کی تفصیلات میں کافی نزاع ہے۔ بہرحال اجماعی احکام و مسائل پر مراجع دستیاب ہیں اور جن کا حصول مشکل نہیں ہے۔

نوعیت مسئلہ سے پوری واقفیت: قرآن و حدیث کا علم' اجماع و نسخ پر نظر' صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال پر نظر اور فقہا کے اصول و اجتہادات سے واقفیت کے ساتھ ساتھ نو پیدا مسئلہ جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو اس کے تمام پہلوؤں سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ اس دور میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے' کیونکہ سائنسی' تمدنی اور معاشی ترقی نے ایسی پیچیدہ شکلیں پیدا کر دی ہیں جنھیں اہل اختصاص ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے کسی ماہر مسئلہ سے صورت مسئلہ اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔

اجتہادی نظر و بصیرت کی ضرورت: ان سب کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو ذوق اجتہاد یا مجتہدانہ فکر و نظر اور دل و دماغ بھی حاصل ہو جو مسائل کی تہہ تک پہنچ سکے' دلائل میں امتیاز کر سکے اور ان سے مسائل کے استنباط پر قادر ہو۔ گرچہ یہ ملکہ ہے جو کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے' لیکن دور جدید میں بحث و تحقیق کے جو اصول و مناہج تیار کیے گئے ہیں ان سے اس صلاحیت کو پروان چڑھانے میں مدد مل سکتی ہے۔

عربی زبان میں مہارت: ذکر میں موخر مگر اہمیت میں مقدم عربی زبان میں مہارت کی شرط ہے' کیونکہ عربی زبان ہی میں شریعت کے مصادر موجود ہیں۔ عربی دانی کے بغیر کسی بھی شخص کی اجتہادی رائے مستند اور قابل التفات نہیں ہو سکتی' کیونکہ اجتہاد کے لیے مطلوبہ علوم کا ترجمہ بہت کم ہوا ہے۔ پھر ترجمہ میں وہ بات نہیں آ سکتی جو اصل عبارت میں ہے۔ آج اس بنیادی آلہ کے حصول کے لیے بڑے منظم و ترقی یافتہ ادارے پائے جاتے ہیں۔ اور ان کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے جدید تکنیک کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔

آج قرآن و حدیث کے معاجم (اشاریے) فقہی موسوعات (انسائیکلوپیڈیا) عربی زبان و ادب

کے مستند قوامیس (ڈکشنریاں) اور فقہ و اصول فقہ کے مجموعے آسانی سے دستیاب ہیں۔ طباعت و نشر اور رسل و رسائل کی ترقی سے کم وقت میں' سفر کی زحمتیں اٹھائے بغیر ان سے استفادہ' مختلف ملکوں میں ہونے والے اجتہادات سے باخبری اور ان کے علما سے تبادلہ خیالات میں وہ آسانیاں ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دور جدید میں مسائل کے انبوہ گراں کے ساتھ ساتھ ان کے حل کے لیے عطا کی ہیں۔ آج کسی مسئلہ پر جو معلومات سال چھ ماہ کے اندر فراہم کی جا سکتی ہیں' ہزار پانچ سو سال قبل اتنی معلومات کے لیے ایک عمر درکار ہوتی۔ احکام و نصوص کی تلاش و استحضار کے لیے ابھی کمپیوٹر کا استعمال تو ہوا ہی نہیں' مگر جب ہو گا تو وہ ایک منٹ سے کم وقفہ میں ان تمام آیات و احادیث' آثار و اقوال کو آپ کے سامنے لا سکتا ہے' جو کسی مسئلہ سے متعلق ہوں۔

ان حقائق کو دیکھتے ہوئے اور ان کا قدیم زمانہ سے تقابل کرنے سے کہ آج اجتہاد اس سے کہیں آسان ہے جتنا قدیم زمانہ میں تھا' اور آج ایک عالم ان شرطوں کو اچھی طرح پوری کر سکتا ہے جو اجتہاد کے لیے علما نے اپنے استقراو اجتہاد سے طے کی ہیں۔

نو پیدا مسائل کے حل کرنے کا صحیح طریقہ

سیاسی حالات اور عرف و عادات کی تبدیلیوں اور معاشی و عسکری اور تمدنی و سائنسی ترقیات کے نتیجہ میں جو نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں' اور ان کے حل کے لیے چھوٹتے ہی قدیم علما کے یہاں فقہی تصریحات و جزئیات تلاش کر کے ان کی روشنی میں کوئی حل تلاش کرنے کے بجائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کا حل کتاب اللہ و سنت رسولؐ میں تلاش کیا جائے۔ اگر ان میں حل مل جاتا ہے تو کافی ہے۔ اگر وہاں کوئی نص نہیں ملتی جس سے پیش آمدہ مسئلہ کو حل کیا جا سکے تو اشبا و نظائر اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر کوئی حل تجویز ہونا چاہیے۔ اس عمل میں ان اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے جو علما نے شرعی نصوص و احکام کے استقرا و استنباط سے متعین کیے ہیں۔ اس پورے عمل میں ہم اپنے فقہی ورثہ سے کسی طرح بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مزید اطمینان اور پرکھ کے لیے بھی فقہی ذخیرہ کا جائزہ لینا چاہیے کہ آیا اس طرح کی کوئی صورت حال پہلے پائی گئی تھی یا نہیں اور اگر پائی گئی تھی تو اس کا کیا حکم تجویز ہوا' اور کیوں؟ کیا وہ حکم اب بھی منطبق ہو گا یا اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ اجتہادی احکام میں عرف و عادات اور حالات زمانہ کی کافی رعایت ہوتی ہے۔

نوپیدا مسائل کے حل کے سلسلہ میں جس طریقہ کی طرف ہم نے نشاندہی کی ہے وہی طریقہ ہمارے اسلاف نے اپنایا اور اسی کی طرف رہنمائی ہمیں حدیث معاذ و اثر فاروق رضی اللہ عنہم سے ملتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت معاذؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا: "تم کیا کرو گے اگر تمہارے سامنے کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے: آپؓ نے عرض کیا میں

اس کے مطابق فیصلہ کروں گا جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں کوئی چیز نہ ہو تو؟ آپؓ نے عرض کیا: ایسی صورت میں اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر اللہ کے رسول کی سنت میں کوئی چیز نہ ملے تو؟ آپؓ نے عرض کیا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کے لیے سب تعریف ہے کہ اس نے رسول اللہ کے پیغامبر کو اس طریقہ کی توفیق بخشی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے (احمد)۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہدایت نامہ بھیجا۔ جس میں لکھا کہ: "جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے نہ معلوم ہو ان میں بڑی سمجھ سے کام لینا اور جو احکام پہلے سے ثابت شدہ ہیں ان پر ان نئے مسائل کو پرکھنا اور ان کے امثال و نظائر کو سامنے رکھنا، پھر جب کسی نتیجہ پر پہنچ جانا تو فیصلہ دیتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنا کہ فیصلہ وہی کرنا جو حق کے قریب اور اللہ کو پسند ہو"۔ (البیہقی، سنن الکبری ۱/۱۵)۔

اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

اجتہاد اصلاً اجتماعی اہمیت کا حامل ہونے کے باوجود ایک انفرادی عمل رہا ہے، لیکن تاریخ کے ہر دور میں کچھ مسائل ایسے بھی پیش آئے جہاں اجتماعی مشورہ اور غور و فکر ناگزیر ہو گیا۔ دور حاضر میں جہاں علوم کی ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کی ترقی کی وجہ سے کسی بھی علم کا حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے وہیں ایک علم کی بے شمار شاخیں اور اختصاصات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے عام واقفیت اور واجبی آگاہی تو بہت سے علوم کی ممکن ہے، لیکن کم ہی لوگوں کے لیے ممکن ہے کہ وہ اختصاص کی حد تک ایک سے زائد علوم میں ملکہ و مہارت پیدا کر سکیں۔ اس لیے ایسے ماہرین اپنے اختصاص کے شعبہ میں مجتہد ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے لیے ممکن نہیں کہ ہر شعبہ زندگی میں مجتہد ہوں۔ اجتہاد کی اس قسم کو تجزی اجتہاد کا نام دیا گیا ہے۔ جس کے جواز یا عدم جواز پر فقہا کے درمیان اختلاف ہے لیکن اکثر جواز کے حق میں ہیں۔

علما نے تجزی اجتہاد کو ان اندیشوں کے تحت رد کیا ہے کہ مختلف علوم شرعیہ اور جملہ مسائل فقہیہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اس لیے کسی ایک چیز میں اختصاص اور بقیہ میں اجتہادی ملکہ نہ ہو تو وہ اجتہاد صحیح نہیں ہو گا، لیکن اس عہد کے حیرت انگیز اختراعات و انکشافات اور معاشی و سیاسی تغیرات نے معاملات کی ایسی گوناگوں پیچیدہ شکلیں پیدا کر دی ہیں جو ہر شخص کی سمجھ سے باہر ہیں۔ اس لیے اس طرح کے پیچیدہ اختصاصی مسائل میں اس مسئلہ کے ماہر کی رائے ہی معیاری اور اسی کا اجتہاد معتبر ہو گا بشرطیکہ وہ اجتہاد کے لیے ناگزیر اساسی علوم سے واقف بھی ہو، ایسا شخص ضروری نہیں کہ ان علوم میں ماہر اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں بھی اجتہاد کا مرتبہ رکھتا ہو۔ تجزی اجتہاد کے نقائص کو دور کرنے

اور اسے سب کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے اس عہد میں مشترکہ غور و فکر کرنے اور اجتماعی اجتہاد کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے' جس کا آغاز بہت سے ملکوں میں پہلے ہی ہو چکا ہے۔

چونکہ ہر عالم تمام علوم پر دسترس نہیں رکھ سکتا اس لیے اجتماعی اجتہاد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک دوسرے کی کمیوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ مختلف تخصصات کے علما سے تبادلہ خیالات کے ذریعہ صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسی مجالس سے ذہن میں وسعت اور تجزیاتی بصیرت پیدا ہوتی ہے اور غور و فکر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ بحث و مباحثہ سے دلائل کی قوت یا ضعف واضح ہو جاتا ہے۔ متعدد حل سامنے آجاتے ہیں جن میں سے اسلامی روح اور شرعی مقاصد و مصالح سے قریب ترین حل کے انتخاب میں سہولت ہوتی ہے۔

یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی اجتہاد اس دور کی کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ اس کی طرف خود رسول اللہؐ نے رہنمائی فرمائی اور مختلف مواقع پر خلفائے راشدین نے اس طریقہ کو اپنایا۔ اکثر ائمہ مجتہدین کے یہاں بھی اس طرح کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ یہ طریقہ عہد حاضر کے لیے نہایت موزوں و مفید ہے۔

اجتماعی اجتہاد کے لیے طریقہ کار

ذیل میں اجتماعی اجتہاد کے لیے ایک طریقہ کار پیش ہے۔ اس کے بعض حصوں پر پہلے سے کچھ اجتماعی اجتہاد کے اداروں میں عمل ہو رہا ہے' لیکن اس کو اور بہتر بنانے اور اسے زیادہ سے زیادہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

اجتماعی اجتہاد کو منظم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ملک میں ایک اعلیٰ مجلس ہو جو اجتہاد طلب نو پیدا مسائل کے حل کرنے کا بیڑا اٹھائے۔ اس کمیٹی کے پاس ایسے باصلاحیت علما کی فہرست ہو جو مسائل کو حل کرنے کے لیے تقلید جامد سے اونچا اٹھ کر قرآن و حدیث اور تمام ہی فقہی ذخیروں کی مدد سے اجتہادی عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اجتماعی اجتہاد کی یہ اعلیٰ کمیٹی اہمیت کے لحاظ سے ایک یا چند مسائل کو لے کر جس شعبہ زندگی سے ان مسائل کا تعلق ہو' ان کے ماہرین سے ان کے بارے میں تشفی بخش معلومات حاصل کر کے ان اہل اجتہاد علما کو یہ معلومات فراہم کرے اور ان سے ان کا حل طلب کرے۔ کمیٹی کا دفتری عملہ ان کے یہاں آئے ہوئے جوابات اور ان کے دلائل کی تلخیص تیار کر کے دوبارہ سب کو بھیجے تاکہ مزید غور و فکر ہو سکے۔ پھر سال یا چھ ماہ پر یا حسب ضرورت وقفہ وقفہ سے ایک چیدہ مخصص نمایندہ علما کا اجلاس منعقد کرے جس میں ان جدید ماہرین فن کو بھی مدعو کیا جائے جنھوں نے ابتداً مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر ضروری معلومات فراہم کی تھیں تاکہ مزید افہام و تفہیم یا کسی وضاحت کی ضرورت ہو تو وہ کی جا سکے۔ اس اجلاس کے شرکا' بحث و تمحیص اور تبادلہ آرا و ادلہ کے بعد' مسئلہ کا حل تجویز کریں۔ اس حل کو اس اعلیٰ اجتماعی مجلس اجتہاد کی طرف سے شائع کر کے افتا کے

مراکز، تعلیم وتدریس کے معاہد اور مسلمانوں کے امور کے ذمہ داروں کو باخبر کر دیا جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جا سکے۔ اخبارات، مجلات اور کتابچوں کے ذریعہ عامتہ المسلمین کو براہ راست بھی ان فیصلوں سے باخبر کر دیا جائے۔ کوشش ہو کہ فیصلے متفق علیہ ہوں لیکن اختلاف کی شکل میں اگر دلائل برابر ہوں تو تخییر یا ترجیح کا موقف بھی اپنایا جا سکتا ہے یا کثرت رائے سے فیصلہ ہو۔ امت کا اجتماعی ضمیر ان شاء اللہ صحیح رائے ہی کو اپنائے گا۔

دوسرے ملکوں میں ان ہی مسائل پر وہاں کے اجتماعی اجتہاد کے اداروں نے جو فیصلے کیے ہیں کوئی رائے قائم کرتے وقت انھیں سامنے رکھنا چاہیے، گو یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی مسئلہ پر دو ملکوں کے علما کی ایک ہی رائے ہو، کیونکہ ہر ملک کے اپنے عرف و عادات اور ظروف و حالات ہوتے ہیں جو ایک مختلف حل تجویز کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

اجتماعی اجتہاد کے اصول و آداب

اجتماعی اجتہاد کے شرکا کو کچھ خاص امور و آداب کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید و کار آمد بنایا جا سکے۔ سب سے پہلی چیز یہ کہ عقائد دین، ارکان اسلام، منصوص و غیر منصوص اور اجتہادی و غیر اجتہادی مسائل میں فرق ملحوظ رہے۔ عوام الناس اور کبھی کبھی خواندہ حضرات میں تنگ نظری اور غلط فہمی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی نظروں سے مذکورہ بالا امور کے فرق مراتب اوجھل ہو جاتے ہیں۔

دوسری اہم چیز نیتوں کی درستگی ہے۔ اخلاص کے ساتھ مسئلہ کے حل کی کوشش ہو اور ہر طرح کے تعصب سے آزاد ہو کر حق کو قبول کرنے کے لیے پوری آمادگی اور دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صحیح حل کی طرف رہنمائی کرے اور اس پر شرح صدر عطا کرے۔

یہ خیال رہے کہ دوسروں کی رائے بھی درست و صواب ہو سکتی ہے۔ یہ احساس اس بات کا ضامن ہو گا کہ آدمی اپنے مخالف کی رائے کا بھی احترام کرے اور رواداری سے کام لے۔ نفسانیت سے پناہ مانگے اور عدل و تقویٰ کی روش اپنائے۔ مسائل کا حل ڈھونڈھنے میں مصالح اور مقاصد شریعت سامنے رہیں۔ نرمی کے ساتھ گفتگو ہو اور جارحانہ الفاظ اور غیر مہذب طرز تخاطب سے اجتناب کرے۔ صرف اپنی ہی نہ کہے جائے، بلکہ دوسروں کی باتوں کو بھی بغور سنے۔

ایک دلیل جو پہلے آ چکی ہو اس کو بلاوجہ بار بار دہرانے سے پرہیز کرے۔ گفتگو کے لیے اپنی باری کا انتظار کرے اور طول کلامی سے بچتے ہوئے وقت کا صحیح استعمال کرے۔ کسی لغزش کی نشان دہی یا تنبیہہ کو عیب جوئی یا تنقید نہ سمجھے بلکہ اسے ایک صحیح تعاون و خیر خواہی کے جذبے سے لے۔ اس پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے تبسم و تشکر کے ساتھ مان لے اور کسی بھی حال میں مقابلہ و مناظرہ کی صورت حال نہ پیدا ہونے دے۔